پنڈت رتن ناتھ سرشاؔر

(1902–1846)

سرشاؔر لکھنؤ کے ایک معزّز کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ منشی نول کشور نے ان سے ''فسانۂ آزاد'' نام کا ایک ناول نما قصّہ اپنے اخبار کے لیے قِسطوں میں لکھوایا۔ تھوڑے ہی دنوں میں سرشاؔر کی دھوم مچ گئی۔ کہنے کو یہ لکھنؤ کے ایک نوجوان میاں آزاد کی داستان ہے۔ لیکن کتاب کا بڑا حصّہ دوسرے بہت سے چھوٹے چھوٹے واقعات اور قصّہ در قصّہ کی طرح مناظر پر مشتمل ہے۔ کرداروں، واقعات اور جگہوں کی اس بھیڑ میں ہنسی مذاق بھی ہے۔ اس زمانے کی تہذیب کی طنزیہ یا ہمدردانہ تصویریں بھی ہیں، انگریزی اور ہندوستانی مزاج و تہذیب کا ایک دوسرے پر اثر اور ردِّ عمل بھی ہے۔ سرشاؔر کو ہر طرح کی زبان کے استعمال پر قدرت حاصل تھی۔ وہ موقع و محل کے لحاظ سے سلیس و سادہ، فارسی آمیز اور مرصّع عبارت بے تکلّف لکھتے تھے۔

میاں آزاد نواب کی ڈیوڑھی پرآئے اور آداب بجالائے۔ اتنے میں ایک چوب دار برہنہ سر، پریشان و مُضطر لپکتا ہوا آیا۔

’’خداوند! بڑاغضب ہوگیا۔‘‘ ’’کیا کہتے ہو؟‘‘’’کیا کہوں؟‘‘ ’’کہو، ایں! خیر ہے؟ بولوتو!‘‘

سب کا رنگ فق کہ خُدا ہی خیر کرے، نواب کا کلیجہ دہل گیا۔’’میاں! کچھ منہ سے بولو سر سے کھیلو، آخر کیا آفت آئی ؟ کچھ معلوم تو ہو؟‘‘

چوب دار : (ہاتھ جوڑ کر)’’جان بخشی ہوتو عرض کروں۔ بٹیر سب اُڑ گئے‘‘۔

نواب : (ہاتھ ملتے ہوئے)’’سب؟ ارے سب اُڑ گئے؟ ہائے ! میرے صف شکن کو جو ڈھونڈ لائے، ہزار نقد انقد پائے۔ اس وقت میں جیتے جی مرمٹا۔ اُف! بھائی اُف! ابھی سانڈنی سواروں کو حکم دو کہ پنچ کوسی دورہ کریں، جہاں صف شکن ملے، سمجھا بجھا کر لے ہی آئیں۔‘‘

مُصاحب : ’’خداوند! سمجھانا کیسا؟ وہ بھی کوئی آدمی ہے کہ سمجھ جائے گا؟ جنور لاکھ پڑھے، پھر جنور ہے۔‘‘

نواب : ’’کوئی ہے۔‘‘

رُفقا	:	حاضر پیرومرشد! خداوند! جی حضور۔
نواب	:	''ان پر جوتے پڑیں۔ لوصاحب! ہم تو اس وقت گھبرائے ہوئے ہیں یہ بات کاٹتا ہے۔ صف شکن کو ایسے گدھوں سے زیادہ تمیز ہے۔''
رُفقا	:	''حق ہے اے حضور! وہ تو عربی سمجھ لیتا ہے۔''
دوسرے بولے	:	''خُداوند! اُسے قرآن کے کئی پارے یاد ہیں۔''
تیسرے نے کہا	:	''قسم پنج تن پاک کی، میں نے اُسے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''
چوتھے	:	''ایک دن ہنس رہا تھا۔''
پانچویں	:	''اجی! ہم نے اُسے ڈنڈ پیلتے دیکھا ہے۔''

''نواب صاحب کو ان کُل باتوں کا یقین آ گیا۔ اُس مُصاحب بے چارے کی گدّی پر کئی گدّے پڑ گئے۔ بٹیر کیا اُڑ گیا کہ نواب صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ آنکھوں سے اشک جاری، ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں۔ کلیجہ بلیوں اچھل رہا ہے۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔'' ہائے میرا صف شکن! پیارا صف شکن!''۔

مُصاحب	:	حضور کو یاد ہوگا، رمضان شریف کے مہینے میں اس نے دانہ تک نہ چھوا۔ حضور سمجھے تھے بوندا ہو گیا، مگر میں تاڑ گیا کہ پابند صوم وصلوٰۃ ہے۔
میر صاحب	:	پیرومرشد! یقین جانیے، پچھلے پہر سے سحر کا ذب تک حق حق کی آواز کا بک سے آیا کرتی تھی۔ غفور! تم کو بھی ہم نے کئی بار جگا کر سُنایا تھا کہ صف شکن یادِ خدا میں مصروف ہیں۔
غفور	:	ہاں میاں! پچھلے پہر سے حق حق کیا کرتے تھے، اور اکثر دیکھا تھا کہ سجدہ کر رہے ہیں۔
خوجی	:	جَلَّ جَلالہٗ۔ واہ میاں صف شکن علی شاہ۔
نواب	:	ہم نے اسے پہچانا ہی نہیں۔ اُف اُف! بھئی کوئی پنکھا جھلنا۔
مصاحبین	:	(غل مچا کر) پنکھا لاؤ جلدی۔ سامنے کھڑے ہو کر جھلو۔
نواب	:	پیتم! جو میں جانتی، کہ پیت کیے دُکھ ہوئے نگر ڈھنڈورا پیٹتی، پیت کرے نہ کوئے
خوجی	:	(پینک سے چونک کر) ہاں ذری اونچے سُروں میں، واہ اُستاد! چھیڑے جا۔ اس وقت تو میاں شورؔی کی

رؤح پھڑک گئی ہوگی۔

نواب : چُپ نامعقول! کوئی ہے؟ ان کو یہاں سے ٹہلاؤ۔ یہ رئیسوں کی صُحبت کے قابل نہیں۔ یہاں تو جی جلتا ہے، اندر ہی اندر پک رہا ہوں۔ ان کے نزدیک قوّالی ہورہی ہے، کہنے لگے، ''اونچے سُروں میں، میاں شوری یاد آتے ہیں۔'' تم ایسے مُفت خوروں کو کسی کے دکھ درد سے کیا سروکار؟ تم کو تو چکھوتیوں سے مطلب ہے۔ اور بس فیرنی ہو، کھیر پکے، مزعفر پر ہاتھ پڑے۔ ٹکڑے کھائے، دل بہلائے، کپڑے پھٹے، گھر کو آئے۔

خوجی : خُداوند! غُلام تو اس وقت آپے میں نہیں۔ ہائے! صف شکن کی کا بک خالی ہو اور میں اپنے ہوش وحواس سے چوکس رہوں۔ میرا معشوق نظر سے غائب ہو تو طبیعت کیوں کر حاضر ہو؟ حضور نے اس وقت مجھ پر جبر کیا، افسوس! ہائے افسوس! ارے یارو! صف شکن کو کہیں سے ڈھونڈھ لاؤ۔ کوئی تو پتہ لگاؤ۔ چور گیدی سے خُدا سمجھے۔

نواب : شاباش! خوجی، شاباش! اس وقت طبیعت بہت ہی خوش ہوگئی۔ بے شک تم نمک حلال، تمھارے باپ دادا نمک حلال۔ ارے بھئی! سانڈنی سوار دوڑائے گئے یا نہیں؟۔

مصاحب : شجاعت علی سے کہوا بھی سانڈنی تیار ہو اور پنج کوسی چکّر لگائے، جہاں صف شکن ملیں انھیں سمجھا بجھا کر لے ہی آئے۔

شجاعت علی : جاتا تو ہوں، مگر وہ منطق پڑھے ہیں۔ میری کیا سنیں گے؟ کوئی مولوی بھی ساتھ بھیجیے۔ اُن سے بحثے گا کون؟ غلام تو کچھ اونٹ چلانا ہی خوب جانتا ہے۔ اُن سے دلیل کون کرے گا بھلا؟۔

میاں آزاد : پیرومُرشد! بانک، بنوٹ، لکڑی، پٹے کا چرچا ہوتا تو بندہ بھی تلوار سونت کر عین موقعۂ واردات پر جاڈٹتا اور چرکے پر چرکا، نشتر پر نشتر لگاتا۔ منطق کی بحث کچھ خالہ جی کا گھر تو ہے نہیں، کسی بُغدادری مولانا کو بُلوائیے۔

مصاحبوں نے ایک مولانا کو تجویزا۔ مولانا بچارے پھٹے حالوں تھے، سمجھے کہ جو ملے غنیمت ہے، مگر یاران سر پُل نے اُن سے کُل داستان نہیں بیان کی۔ چوب دار مکان پر گیا اور کہا نواب صاحب نے آپ کو یاد کیا ہے چلیے! کسی بڑے عالم سے بحث ہوگی۔

مولانا : السّلام علیکم! حضور نے آج یاد فرمایا ہے۔ زہے نصیب۔

نواب : وعلیکم السّلام! آپ کو اس وجہ سے تکلیف دی ہے کہ میرا قُرّۃُ العین، لختِ جگر، نورِ بصر ناراض ہو کر چلا گیا۔ مگر بہت منطقی ہے۔ اسرار خُدائی سے واقف، علم مناظرہ میں طاق، پابند روزہ نماز، آپ بحث کیجیے اور معقول کر کے اُسے لائیے۔

مولانا : انشاءاللہ! والدین کا بڑا حق ہوتا ہے۔ وہ کیسے نادان آدمی ہیں کہ والدین سے خفا ہو گئے؟ مقام اِستعجاب ہے۔

خوجی : مولانا صاحب! وہ بٹیر ہے، مگر خوش تمیز، عارف، زاہد، عفّت کوش، متّقی مشرّع، منطقی، فلسفی، ہیئت داں، عربی خواں۔

میر صاحب : کیا صف شکن کا نام مولانا نے نہ سُنا ہوگا؟ وہ تو روُم تک مشہور تھے۔

قبلہ! حقیقت حال یوں ہے کہ سرکار کا بٹیر صف شکن کل کا بک سے اُڑ گیا۔ اب تجویز یہ ہوئی ہے کہ ایک سانڈنی سوار جائے اور سمجھا بجھا کر لے آئے، مگر شتر بان پھر شتر بان ہے، لاکھ صُحبت یافتہ ہو تو کیا! لہٰذا، آپ بلائے گئے کہ سانڈنی پر سوار ہو جیے، اور اُن کو بہ لطائف الحیل بلالائیے۔

مولانا : درست، آپ سب کے سب نشے میں تو نہیں؟ ہوش کی باتیں کیجیے۔ خود مسخرے بنتے ہو یا مجھے مسخرا بناتے ہو۔ بٹیر منطقی کیسا؟ لاحَولَ وَلاقوۃ۔ اور سُنیے، بٹیر اُڑ گیا، اُس کو سمجھا کر لاؤ۔ وہ بھی کوئی مولوی ہے یا آدمی ہے؟ صف شکن! کون لڑائی سر کی تھی؟ استغفراللہ! استغفراللہ! اچھے گاؤدیوں کا مجمع ہے۔ بندہ رخصت ہوتا ہے۔

نواب : یہ کس کوڑھ مغز کو لائے تھے؟ خاصا جانگلو ہے۔

آزاد : اچھا! حضور بھی کیا خیال کریں گے اتنے بڑے دربار میں ایک بھی منطقی نہ نکلا، لو! اب غلام نے بیڑا اُٹھالیا کہ جاؤں گا اور لاؤں گا۔ ایک تو سانڈنی دیجیے۔ بادرفتار، اور دو دن کی خوراک دیجیے، اور ایک خط اپنے دست مبارک سے لکھ دیجیے۔ تیسرے دن غلام مع صف شکن بہادر کے ڈیوڑھی پر موجود نہ ہو، تو مونچھیں منڈا دیجیے۔

نواب : اچھا آپ جائیے اور لیس ہو کر آئیے۔ میں یہاں بندوبست کیے دیتا ہوں۔ مگر ابھی آئیے، دیر نہ ہونے پائے، اتنا خیال رہے۔

میاں آزاد گھر گئے اور مصاحبوں میں کھچڑی پکنے لگی۔ ''یارو! یہ تو بازی جیت لے گیا۔ پالا اسی کے ہاتھ رہا۔ اور جو کہیں صف شکن کو لے آیا، تو پھر ہم سب پر شیر ہو جائے گا۔ پھر آزاد ہی آزاد چوطرفہ نظر آئیں گے۔ ہم کو، آپ کو، کوئی نہ پوچھے گا۔ اس کی فکر کیجیے۔''

خوجی : ''حضور! جاں بخشی ہو تو عرض کروں۔''

نواب : ''کہیے نا۔ یہ جاں بخشی کا کون سا موقع ہے؟ کوئی عُمدہ صلاح بتائیے، کوئی معقول تدبیر نکالیے۔''

خوجی : حضور! میاں آزاد، ابھی دو دن سے اس دربار میں آئے ہیں۔ اُن کا اِعتبار کیا؟ خُدا جانے اچکّے ہیں، اُٹھائی گیرے ہیں، چور ہیں، گرہ کٹ ہیں، کوئی کیا جانے؟ اور جو سانڈنی ہی لے کر رفو چکّر ہوں، تو پھر کوئی کہاں ان کا پتہ لگاتا پھرے گا؟ انصاف سے کہیے گا کہ ایک خانہ برباد، خانہ بہ دوش آدمی کا ٹھکانا کیا؟ اور وہ کچھ

بیدھا ہے کہ واپس آئے گا؟''

مُصاحب : ہاں خداوند! سچ تو سچ ہے۔

میر صاحب : یہ خوجی صورت ہی سے کچھ ایسے معلوم ہوتے تھے، مگر بات کہی ٹھکانے کی۔

مسیتا بیگ : ہم تو حضور کو صلاح نہیں دیں گے، کہ میاں آزاد کو سانڈنی دیجیے۔

نواب : چلو، بس بہت نہ بکو! تم اُٹھائی گیرے، مفت خورے ہونا۔ سب کو اپنا ہی ایسا سمجھتے ہو۔ آزاد کی چتون کہے دیتی ہے کہ وہ وزارت کے قابل ہے۔ تم میں سے کوئی اس کی جوتی کی پھٹ پھٹ کو نہیں پہنچتا، اور فرض کرو کہ سانڈنی جاتی ہی رہے تو کیا میں بھی کوئی ٹکڑگدا ہوں کہ سانڈنی کے کھونے سے مجھے بھیک مانگنے کی نوبت آجائے گی؟ اور ہزاروں کی ایک بات تو یہ ہے کہ صف شکن پر سے لاکھوں صدقے ہیں۔ سانڈنی کس شمار میں ہے۔

ہمارے سیلانی جوان، رنگیلے پہلوان، ظریفوں کی جان، زندہ دلوں کی روح رواں، میاں آزاد نے سانڈنی پر کاٹھی کسی، اور بھولے بھالے، دیوانے، متوالے نواب سے رُخصت ہوئے۔

میر صاحب : ذری، سانڈنی سے چوکس رہیے گا۔

آزاد : خُداوند! رُخصت، مجرا عرض ہے غلام کے حق میں دعائے خیر کیجیے۔

نواب : خُدا حافظ و ناصر ہے، اور میرا تو رونگٹا رونگٹا دُعا دے رہا ہے۔ لیجیے بسم اللہ کیجیے۔

میاں آزاد نے پُشت پھیری تھی کہ اتنے میں پٹ سے چھینک پڑی۔ ہات تیری کی ناک کاٹوں، ہتّھے پرٹو کا کم بخت نے، لے میاں ذری جوتا بدل ڈالو، اور یہ گلوری کھالو۔ میاں آزاد پھر سب سے رخصت ہوئے۔ فی امان اللہ! خُدا حافظ! اللہ کو سونپا، مگر سانڈنی کی خیر نہیں نظر آتی۔ بی مبارک قدم، لونڈی اور ماما، اصیلوں نے چٹ چٹ بلائیں لیں اور دعائیں دیں۔

الغرض میاں آزاد سانڈنی پر سوار ہو کر ہوا ہوئے۔ یہ جا وہ جا۔ تھوڑی دیر میں نظر سے اوجھل۔

جب کئی دن گزر گئے، تو خوشامد خوروں نے چنگ پر چڑھایا، پیرومُرشد! دیکھا، ہم نہ کہتے تھے کہ میاں آزاد، خانہ برباد کا ٹھکانہ کیا؟ حضور نے نہ مانا، آخرش سانڈنی کی سانڈنی گئی، اور رنج کا رنج ہوا۔

خوجی : اور بے وقوف کے بے وقوف بنے۔

میر صاحب : اور انعام جو دیا گیا، اُس کی گنتی ہی نہیں۔

غفور : ہجور! اب وہ پھرتے نجرنہیں آتے۔ دوتین سوکی سانڈنی پر پانی پھر گیا۔

خوجی : ہونہہ! یہ دوہی تین سو لیے پھرتے ہیں۔ اے میاں! وہ سانڈنی بلا کی دھاوا کرنے والی ہے۔ ریل کی دُم میں باندھ دو، دیکھو چندوسی تک برابر چھم چھم کرتی چلی جاتی ہے یا نہیں؟ ہندوستان سے ملک میں ویسی تو ایک نظر نہیں آتی۔ کیا دم خم ہے؟

نواب : اتنے بڑے لونبڑ ے ہوئے مگر گھو کے ہی رہے۔ جو بات کریں گے، بے ٹھکانے۔ سانڈنی، ٹکے کا جانور، گئی گئی۔ اب اُس کا رونا کیا؟ ہائے! رنج تو یہ ہوا کہ میاں صف شکن اب ہاتھ نہیں آنے کے۔ میرا ہی دل جانتا ہے کہ کلیجے پر کیسی چوٹ لگی ہے؟ بھئی! اس سے تو مجھے موت ہی آجاتی تو سمجھتا، بڑا خوش نصیب ہوں افسوس!۔

مصاحب : حضور! صبر کیجیے۔ بڑے نواب صاحب مر گئے، تو حضور نے کیا کرلیا؟ چچا، حضور کو چھوڑ کر چل بسے، تو حضور نے کیا کرلیا؟ داداجان، ساری ثروت سے منہ موڑ کر داغِ جُدائی دے گئے، تو حضور نے کیا کرلیا؟ اب صبر کیجیے۔

نواب : میاں! باپ دادا تو سب ہی کے مرا کرتے ہیں، مگر صف شکن سے وفادار جانور کا ایک دم بھی جُدا ہونا کھلتا ہے، نہ کہ کا یک سے اُڑ جانا۔ خیر، خُدا اُن کو بخشے۔ اس وقت دل ہے کہ بے اختیار اُمڈا چلا آتا ہے۔

خوجی : اس وقت تہہ دل سے دُعا نکلتی ہے کہ میاں آزاد مع صف شکن علی شاہ کے کھٹ سے آجائیں، اور حضور، واللہ ! دل گواہی دیتا ہے کہ آیا ہی چاہتے ہیں۔ بس صبح وشام آئے، داخل۔

نواب : تمھارے منہ میں گھی شکّر۔

مسیتا : حضور! مٹھائی کا اقرار کرلیں۔

خوجی : اور سنیے! یہ اب مٹھائی کیسی؟ وہ جلسے اڑیں، وہ جشن ہوں کہ واہ جی واہ! مہینوں طبلے پر تھاپ پڑے، اور دور دور سے طائفے آئیں۔ صف شکن کا آنا کوئی ایسی ویسی بات ہے؟ گیدی کہیں کا۔

نواب : انشاءاللہ! پھر میں اپنے دل کا ارمان نکالوں۔ وہ دھما چوکڑی مچے کہ واہ جی، واہ۔

الغرض، میاں آزاد کا خط لے کر چابک سوار نواب کی خدمت میں حاضر ہوا۔

چابک سوار : مجرا عرض ہے۔

نواب : سلام! کہو! بیٹا کہ بیٹی؟ جلدی سے بولو، یہاں پیٹ میں چوہے کود رہے ہیں۔

چابک سوار : حضور! غلام نے راہ میں دم لیا ہو، تو جرمانہ دوں، بس گھوڑے کی پیٹھ پر آیا اور کڑ کڑا دیا۔

خوجی : کتنے بے تکے ہو میاں! سوال دیگر جواب دیگر، کہیں کھیت کی، سنیں کھلیان کی۔ بھلا اپنی کارگزاری جتانے کا یہ کون سا موقع ہے؟ جی آزاد کا پتہ بتاؤ، مارے شیخی کے دُبلے ہوئے جاتے ہیں۔

اب سنیے کہ میاں آزاد اپنی سانڈنی پر سوار، صف شکن علی شاہ کو کابک میں بٹھائے سڑک پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ایں! صف شکن علی شاہ کہاں سے آ گئے؟ اجی کسی اٹیر بٹیر کو ادھر ادھر سے خرید لیا ہوگا۔

نا صاحب! وہی صف شکن۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ میاں آزاد نے اور سب بٹیروں کو تو اُڑا دیا تھا، مگر صف شکن علی شاہ کو چھپا رکھا تھا، اب موقع پر اُن کو نکالا۔ خیر، خوجی آتے ہی اُن سے بغل گیر ہوئے اور میر صاحب گلے ملے، اور غفور خدمت گار نے سلام کیا اور رفقا و مُصاحبین سے مصافحہ ہوا۔

خوجی : مثل مشہور ہے کہ سو برس بعد گھورے کے دن بھی بہورتے ہیں۔ سو ہمارے تو آج دن بہورے کہ آپ آئے اور شاہ جی لائے، نواب کے یہاں سناٹا پڑا ہوا تھا۔ وہ چہل پہل ہی نہیں، وہ دل لگی ہی نہیں، صف شکن کے سوگ میں سب پر مُردنی چھائی تھی نواب چونک چونک پڑتے تھے۔ کھٹ ہوا اور پوچھا۔ ''آزاد آئے۔'' دھم ہوا اور کنمنائے مگر آپ نہ آئے۔

آزاد : بھائی! کچھ پوچھو نہیں۔ واللہ! آسمان میں تھگلی لگائی تب کہیں ان کی زیارت نصیب ہوئی، خدا جانے کن کن جنگلوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور وہاں کیا کیا اُفتادیں پڑیں۔

خلاصہ یہ کہ خوجی اور میر صاحب اور رفقا اور مُصاحبین سب کے سب مل کر میاں آزاد کو چیتے یار بناتے تھے، مگر ہمارے آزاد ایک ہی استاد تھے۔ خوب سمجھے کہ اب نواب کے یہاں ہمارا جو طوطی بولے گا، اُس سے یہ سب ہمارے پارچے بن رہے ہیں۔ تھوڑی دیر تک تو خوب گھل گھل کر باتیں ہوئیں، تو میاں آزاد نے کہا: حضرت! اب رات جاتی ہے یا آتی ہے، چلیے نا، بس اب انتظار کس کا ہے؟ اچھا بسم اللہ کیجیے، پنشاخے چڑھاؤ، لالٹینیں جلاؤ، گھوڑے چلاؤ، ہاتھی کے پرے جماؤ، باجا بجاؤ، تامدان بڑھاؤ، سب قرینے سے لگاؤ، جب جلوس آراستہ ہوا تو میاں آزاد ایک فیل فلک شکوہ پر جا ڈٹے اور صف شکن علی شاہ کی کابک کو آگے رکھ لیا۔ شہر میں تو پہلے ہی سے ہلّڑ تھا کہ نواب والا بٹیر بڑے ٹھسے سے آ رہا ہے۔ لاکھوں آدمی چوک میں تماشا دیکھنے کو ڈٹے ہوئے تھے۔ چھتیں پھٹی پڑتی تھیں۔ وہ بھیڑ بھڑکّا کہ شانہ سے شانہ چھلتا تھا۔ باجوں کی آواز جو کانوں میں پڑی تو تماشائی چشم در انتظار ہوئے۔
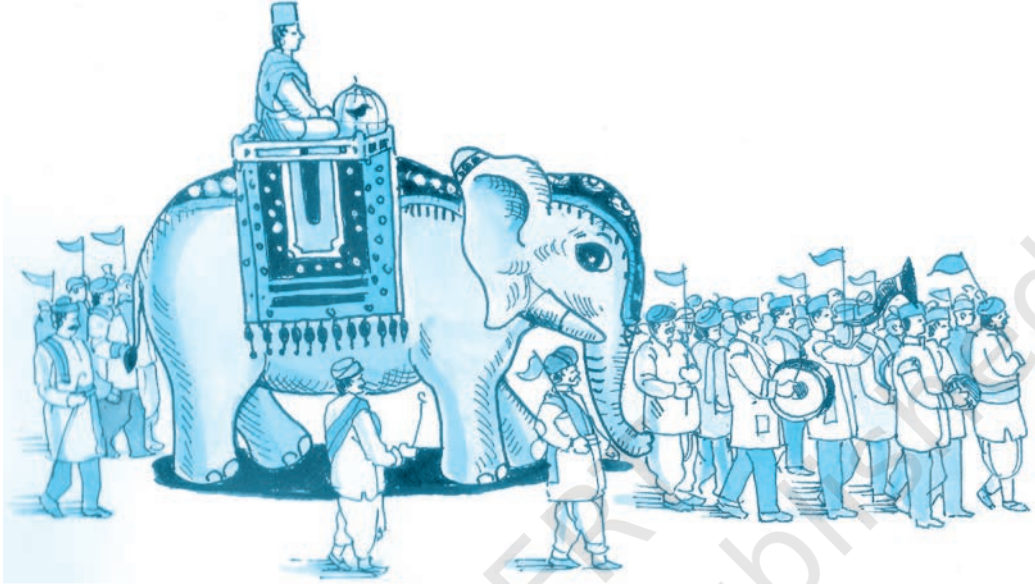
نشان کا ہاتھی جھنڈے کا پھریرا اُڑاتا، اٹکھیلیاں کرتا، سامنے آیا۔ پھولوں کے تخت آگئے تھے۔ انگریزی باجے نے کانوں کو سرور، نازنینانِ پری وش کے رُخِ انور نے آنکھوں کو نور بخشا۔

(پنڈت رتن ناتھ سرشار)

مشق

سوالات

1۔ نواب صاحب کے رفیقوں نے صف شکن کی تعریف میں اس کی کیا کیا خصوصیات بتائیں؟ کوئی پانچ خصوصیات لکھیے۔

2۔ مولانا کو کیوں بُلایا گیا تھا اور اس پورے معاملے پر ان کا ردِّعمل کیا تھا؟

3۔ صف شکن کو واپس لانے کی ذمہ داری کس نے لی اور اس کام کے لیے کیا کیا چیزیں طلب کیں؟

4۔ مصاحبوں نے نواب صاحب کو آزاد کے خلاف بھڑکانے کے لیے اس کی بُرائی میں کیا کیا کہا؟

5۔ صف شکن کو آزاد کہاں سے ڈھونڈ کر لائے؟ تفصیل سے بتائیے۔